چودھری خلیق الزماں

مَیں اپنے کالم میں جب بھی چودھری صاحب کا ذکر کرتا تو اُن کے نام سے پہلے لیڈر آخرالزماں چودھری خلیق الزماں لکھتا۔ اور کہیں کہیں ہلکی پھلکی گستاخیاں اور جسارتیں بھی کر جاتا لیکن چودھری صاحب سے جب بھی ملاقات ہوتی وہ وہ بڑی خندہ پیشانی سے پیش آتے۔ میرے کالم کے وہ جملے سناتے جو ان کے بارے میں لکھتا تھا، اور اُن جملوں سے وہ خود بھی لطف اندوز ہوتے اور دوسروں کو بھی اپنے اوپر ہنسنے ہنسانے کا موقع دیتے۔

[ایک مرتبہ ایسی ہی ایک مجلس میں چودھری صاحب نے مجھ سے پوچھا، یہ تم مجھے "لیڈر آخرالزماں" کیوں لکھتے ہو؟ تو مَیں نے عرض کیا کہ جس نسل اور جس ڈھب کے لیڈروں سے آپ کا تعلق ہے، آپ اس نسل کے آخری لیڈر ہیں اور آپ کے بعد اس قسم کا لیڈر پیدا نہیں ہوگا۔ مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ جو بات مَیں نے مذاق میں کہی ہے وہ آگے چل کر میری پیش گوئی بن جائے گی۔ اور چودھری صاحب کے قد کاٹھ کا اور کوئی لیڈر ان کے بعد پیدا نہیں ہوگا۔]

چودھری صاحب سیاست کے کھیل میں چیمپئن اور آل راؤنڈر کھلاڑی تھے۔ سیاسی لیڈروں میں ایسے بھی لیڈر ہوتے ہیں جنھیں حالات لیڈر بنا دیتے ہیں اور بعض لیڈروں کو لیڈری ورثے میں ملتی ہے۔ بعض صنعت کار، تجار اور زمیندار اپنے تجارتی مفادات کی خاطر لیڈری کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، وکیلوں کے لیے تو خیر سیاست مشغلہ بھی ہے اور کبھی کبھی یہ پیشہ بھی بن جاتا ہے۔ گویا سیاست زیادہ تر ہمارے یہاں لیڈروں کی مجبوری رہی ہے لیکن تقسیم سے پہلے بھی ایسے لیڈر رہے جنھیں ہم پیدائشی لیڈر کہہ سکتے ہیں اور سیاست ان کی رگ رگ اور نس نس میں رچی ہوتی تھی۔ چودھری صاحب کا شمار ایسے ہی لیڈروں میں ہوتا ہے۔ یوں تو چودھری صاحب پابند صوم و صلوٰۃ تھے اور سچے اور پکے مسلمان تھے لیکن سیاست میں وہ اپنے خیالات اور اپنی پارٹی کے مفاد کی خاطر سب کچھ کر گزرتے اور اسے جائز سمجھتے۔ وہ سیاست میں اینچ پینچ کرنا اور چھوٹے چھوٹے

جھانسے،اور پٹخیاں دینا روا سمجھتے تھے یا نہیں، یہ تو مجھے معلوم نہیں لیکن ان کے یہاں سب کچھ تھا اور وہ یہ سارے کام وہ بڑے سلیقے اور تدبیر سے کرتے۔

انڈین نیشنل کانگریس کے باراں دیدہ، گرم و سرد زمانہ چشیدہ، تیز و طرار وقت شناس لیڈروں کے توڑ پر ہمارے یہاں کوئی تھا تو وہ ہمارے چودھری خلیق الزماں صاحب تھے۔ پنڈت نہرو اور گاندھی جی بھی ان کی چالوں سے چوکنے اور ہوشیار رہتے۔ لیکن ایک زمانے میں جب مسلمانوں اور ہندوؤں میں اتحاد تھا تو یہ لیڈر ہر معاملے میں چودھری صاحب سے مشورہ لیتے۔ سیاست میں ان کی قریب کی نظر بھی اچھی تھی اور دور کی بھی۔

ایک مرتبہ چودھری صاحب نے مجھے بتایا کہ ایوب خان کے زمانے میں پنڈت جواہر لال نہرو یہاں آئے تھے اور ایوانِ صدر (کراچی) میں ٹھہرے تھے۔ ایک دن بھٹو صاحب میرے پاس آئے اور کہنے لگے آپ کو صدر صاحب نے بلایا ہے۔ مَیں نے کہا خیریت تو ہے۔ بھٹو صاحب نے کہا، پنڈت جی نے آپ کو یاد کیا ہے۔ چنانچہ مَیں بھٹو صاحب کے ساتھ ایوانِ صدر پہنچا۔ جب پنڈت جی نے مجھے دیکھا تو وہ کھڑے ہو گئے اور مجھ سے لپٹ کر کہنے لگے،''خلیق تم تو یہاں آ کر ہمیں بھول ہی گئے ہو۔'' پھر چودھری صاحب نے کہا،''یہ تو تم جانتے ہو کہ جواہر سے میری بڑی گہری دوستی تھی، اگرچہ سیاست میں ہم دونوں ایک دوسرے کے حریف تھے، لیکن ہماری دوستی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ ہمارے ان سے خاندانی مراسم بھی تھے۔ غرض کہ اس ملاقات میں ہم اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے اور یکا یک جواہر لعل نے مجھ سے پوچھا، خلیق تم آزادی کی تحریک پر کتاب لکھنا چاہتے تھے اس کا کیا ہوا؟ تو مَیں نے کہا، اس کے لیے فرصت اور کچھ سہولتوں کی ضرورت ہے۔ انشاءاللہ وہ جب بھی میسّر آئیں گی۔ مَیں یہ کام شروع کر دوں گا۔ غرض کہ کچھ بات چیت کرنے کے بعد میں چلا آیا اور پنڈت جی بھی چلے گئے۔ لیکن تیسرے دن پھر بھٹو صاحب میرے یہاں آئے اور مَیں ان کے ساتھ ایوانِ صدر پہنچا۔ پہلے اِدھر اُدھر کی باتیں ہوئیں اور پھر ایوب خان نے مجھ سے کہا:

> ''چودھری صاحب آپ نے پنڈت جی سے کہا تھا کہ اگر آپ کو فرصت ملی اور سہولتیں میسّر آئیں تو آپ تحریک آزادی پر کتاب لکھیں گے، تو فرمایئے کہ اس سلسلے میں ہم آپ کی کیا مدد کر سکتے ہیں؟''

تو مَیں نے اس بات کا رُخ پھیرتے ہوئے کہا، آپ کوئی اپنی سیاسی پارٹی کیوں نہیں بنا لیتے۔ آخر آپ کب تک مارشل لاء کو مسلط رکھیں گے، اور اس کے ذریعے ملک پر حکومت کریں گے؟

ایوب خان نے کہا کہ کیا آپ پارٹی بنانے میں میری مدد کریں گے؟ مَیں نے کہا ہاں مَیں آپ کی پارٹی بنوا دوں گا، چنانچہ مَیں نے کنونشن مسلم لیگ کی داغ بیل ڈال دی اور ایوب خان کو اس کا چار آنے کا ممبر بنا دیا اور پھر ملک کے تمام سیاست دانوں سے یہ کہا کہ مَیں نے شیر کو پنجرے میں بند کر دیا ہے۔ اب اسے سِدھانا اور اس سے کام لینا تمہارا کام ہے۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ ان لوگوں نے وقت کی نزاکت کا اندازہ نہیں لگایا اور اپنی پارٹیوں کی تنگنائے سے باہر نکلنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ ورنہ یہ ایسا وقت تھا کہ جمہوریت آہستہ آہستہ پوری طرح بحال ہو جاتی۔

یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ کہ پاکستان بننے کے بعد قائداعظم اور چودھری صاحب کے تعلقات میں کشیدگی پیدا ہو گئی تھی۔ یہ بڑی لمبی بات ہے اور یہاں اس کے لکھنے کا موقع بھی نہیں ہے۔ اس سلسلے میں یہ بھی بتاتا چلوں کہ جب چودھری صاحب ہمیشہ کے لیے پاکستان آ گئے تو ایک دن قائداعظم نے چودھری صاحب کو بلا کر کہا، خلیق، مَیں یہ چاہتا ہوں کہ تم پاکستان کے سارے صوبوں کا دورہ کر کے مجھے یہ بتاؤ کہ ہمارے مسلم لیگی لیڈر کیا کر رہے ہیں اور ان کی کارکردگی کیسی ہے؟ تو چودھری صاحب نے کہا، مَیں کچھ دنوں بعد اپنے دورے سے واپس آیا اور قائداعظم کے یہاں پہنچا تو قائداعظم نے پوچھا، تم نے اپنے دورے کی رپورٹ لکھ لی ہے؟ تو مَیں نے کہا کہ رپورٹ کی ضرورت نہیں۔ مَیں اس سلسلے میں صرف یہ کہوں گا کہ آپ نے کہاں گھوڑے بیچ کر گدھے خریدے ہیں۔

چودھری صاحب نے علی گڑھ ہی میں اپنی تعلیم مکمل کی۔ وہ فٹ بال اور ٹینس کے بڑے اچھے کھلاڑی تھے اور یہیں، علی گڑھ میں انہیں سیاست کا چسکا پڑا۔ یہیں سے وہ سید ہاشمی فرید آبادی کی نظم "چل بلقان چل" سے متاثر ہو کر ڈاکٹر انصاری کی قیادت میں جو طبی مشن ترکوں کو طبی امداد پہنچانے کی غرض سے استنبول جا رہا تھا، اس میں شامل ہو گئے۔

چودھری صاحب نے کہا کہ زیارت جانے سے پہلے مَیں اور قائداعظم اور لیاقت علی خان ایک تقریب میں اس طرح چل رہے تھے کہ مَیں اور لیاقت علی خان، قائداعظم کے پیچھے تھے

اور وہ ہمارے آگے تھے۔ مَیں نے یہ محسوس کیا کہ قائداعظم کے قدم ٹھیک طرح زمین پر نہیں پڑ رہے ہیں، تو مَیں نے لیاقت علی خان سے کہا، ''تم دیکھ رہے ہو کہ قائداعظم کے قدم اب لڑکھڑانے لگے ہیں۔ مجھے یہ امید نہیں کہ اب وہ زیادہ دن ہمارے ساتھ رہیں گے۔ لہٰذا اس سے پہلے کہ انہیں کچھ ہو، ملک کی سربراہی کے بارے میں کچھ سوچ لو۔'' لیاقت علی خان نے مجھ سے پوچھا، تمہارے خیال میں کوئی ایسا شخص ہے، تو مَیں نے کہا کہ، جس شخص نے اپنی قابلیت اور اپنی ذہانت اور اپنے خلوص اور اپنے تاثرات سے ہماری جدّ وجہد کو آگے بڑھایا ہے، وہ نواب حمید اللہ خان ہیں۔ لیاقت علی خان نے مجھ سے اتفاق کیا اور مجھ سے پوچھا کیا نواب صاحب بھوپال چھوڑ کر یہاں آنے کے لیے تیار ہو جائیں گے؟ تو مَیں نے کہا کہ یہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔ کوشش کرنے میں کیا مضائقہ ہے۔

نواب بھوپال کے بارے میں مجھے ذاتی طور پر معلوم ہے کہ انہوں نے مسلم لیگ کے لیے ہندوستان کے بہت سے نوابوں سے چندہ جمع کر کے اور ایک خطیر رقم اس میں اپنے پاس سے ملا کر قائداعظم کو دی تھی۔ اور جب قائداعظم نے نواب بھوپال سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ انہیں انگلستان میں ایک قانونی مشیر کی ضرورت ہے جو برطانوی پارلیمان اور کابینہ کے ممبروں اور ان لوگوں کو، جو برطانوی حکومت میں ذی اثر عہدوں پر فائز ہیں، ہمارا نقطۂ نظر سمجھا سکے اور مغربی ملکوں میں ہماری ترجمانی کر سکے، تو نواب صاحب نے پوچھا کہ آپ کے خیال میں اس کام کے لیے چودھری ظفر اللہ خان کیسے رہیں گے۔ وہ بڑی مدّت تک وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر رہے ہیں۔ برطانوی حکومت کے مزاج شناس بھی ہیں اور راز داں بھی اور بڑے اعلیٰ پائے کے قانون داں بھی ہیں۔ قائداعظم نے نواب صاحب کی رائے سے اتفاق کیا۔ چنانچہ نواب صاحب نے چودھری ظفر اللہ خاں صاحب سے یہ کہا کہ وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل سے استعفیٰ دے دیں۔ استعفیٰ دینے سے چودھری صاحب کا بہت بڑا مالی نقصان ہوتا۔ پھر تنخواہ کا معاملہ بھی تھا۔ اور مسلم لیگ کے پاس اتنا سرمایہ نہیں تھا۔ چنانچہ نواب صاحب نے چودھری صاحب کو اپنا قانونی مشیر بنا کر انہیں لندن بھجوا دیا اور چند مسلمانوں ریاستوں سے چندہ اکٹھا کر کے انہیں فراہم کیا۔

یہ بات مجھے ریاست جاؤرے کے وزیراعظم بہادر بنیاد حسین اور صاحبزادہ ڈاکٹر عبدالواجد خان نے، جو کسی زمانے میں ایوانِ شہزادگان کے جنرل سیکریٹری رہے تھے، بتائی تھی اور

جس کی چودھری صاحب نے میرے ایک مضمون کا، جو میں نے "حریت" میں لکھا تھا، حوالہ دے کر اپنے خط میں، جو میرے نام لکھا تھا، اس کی تائید کی تھی۔ چنانچہ چودھری ظفر اللہ خان نے وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل سے استعفیٰ دے دیا اور وہ مسلم لیگ کی وکالت کرنے کی غرض سے لندن چلے گئے۔ اس کے علاوہ بھی نواب صاحب ہر طرح سے مسلم لیگ اور پاکستان کی تحریک کی حمایت کرتے رہے۔ لہٰذا ایسی صورت میں ان کا نام بھی مسلم لیگ اور پاکستان کے قائدین میں آتا ہے۔

چودھری صاحب نے مجھے یہ بھی بتایا کہ نواب صاحب یہ چاہتے تھے کہ قائداعظم پاکستان بننے کے بعد ہندوستان میں ہی رہیں اور وہ دونوں ملکوں کی قیادت کرتے رہیں اور کسی قیمت پر پاکستان کی گورنر جنرلی کا عہدہ قبول نہ کریں۔ چودھری صاحب نے کہا کہ نواب صاحب نے اس سلسلے میں قائداعظم سے اپنی بات منوا بھی لی تھی۔ ان کے خیال میں اس طرح قائداعظم کی شخصیت اور بلند ہو جاتی۔ قائداعظم یہ چاہتے تھے کہ پاکستان کے گورنر جنرل کی شخصیت کسی طرح سے ماؤنٹ بیٹن سے، جسے انڈین نیشنل کانگریس ہندوستان کا گورنر جنرل بنانا چاہتی تھی اور خود ماؤنٹ بیٹن پاکستان کا گورنر جنرل بننے کا خواہش مند تھا، کم نہیں ہونی چاہیے تھی۔ اور اتنی بڑی شخصیت مسلم لیگ اور پاکستان میں موجود نہیں تھی لہٰذا نواب صاحب خود پاکستان کے پہلے گورنر جنرل بننے پر آمادہ ہو گئے اور قائداعظم بھی اس بات پر تیار ہو گئے تھے۔ چنانچہ نواب صاحب اپنے ذاتی طیارے میں بیٹھ کر پاکستان کے لیے روانہ ہونے لگے تو انہیں یہ خیال آیا کہ کہیں لوگ ان کے بارے میں کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائیں، وہ واپس چلے آئے۔ یہ باتیں کہاں تک صحیح تھیں اور کہاں تک غلط اور اس میں کتنی حقیقت تھی اور کتنی فسانہ سازی تو اس کے ذمہ دار چودھری صاحب ہیں۔

یوں تو چودھری صاحب بچپن ہی سے صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے۔ لیکن آخری عمر میں ان کے مکان کے ڈرائنگ روم میں جہاں ایک چارپائی پر ان کا بستر بچھا تھا اس کے قریب ہی ایک چوکی پر جانماز بھی تھی۔ چنانچہ صبح دس گیارہ بجے تک میں جب بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہیں کلام پاک کی تلاوت میں مصروف دیکھا۔

اور جب مشرقی پاکستان بنگلہ دیش کی صورت میں ہم سے علاحدہ ہو گیا تو میں جب بھی

چودھری صاحب کے یہاں گیا تو میں نے یہ دیکھا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں، اور وہ تلاوت میں مصروف ہیں۔ ایک دن انہوں نے اس سلسلے میں فرمایا کہ ہم نے اپنی جس حماقت سے پاکستان کے ٹکڑے کروائے ہیں نہ جانے یہ حماقت کب تک جاری رکھیں گے۔ ہم میں تنگ نظری اس حد تک اور اس شدت سے پیدا ہو چکی ہے کہ ہم میں اجتماعی یا قومی شعور پیدا ہونا مشکل ہو گیا ہے۔ ہم ہر قومی مسئلہ پر انفرادی یا گروہی جذبے سے کام لیتے ہیں۔ ایسی صورت میں منطق اور فلسفے کی جگہ نعرے رہ جاتے ہیں۔

چودھری صاحب کے بارے میں کسی نے یہ صحیح کہا ہے کہ وہ جتنے زمین کے اوپر تھے، اتنے ہی زمین کے اندر تھے۔ ان کا قد چھوٹا تھا، آواز گمبھیر تھی، داڑھی نہیں تھی لیکن مونچھیں گھنی تھیں۔ علی گڑھ کی شیروانی، علی گڑھی پاجامہ اور بالوں والی ٹوپی پہنتے تھے۔ پاؤں میں پمپ ہوتا، چھڑی ہر وقت ہاتھ میں رہتی۔ وہ جس محفل میں ہوتے پوری محفل پر چھا جاتے۔ چودھری صاحب ہمیشہ متنازع فیہ شخصیت رہے ہیں۔ وہ سیاست کے اکھاڑے کے نامی پہلوان تھے۔ سنتے بھی تھے، سناتے بھی تھے۔ وار کرتے بھی تھے وار سہتے بھی تھے۔ ان کے خلاف ان کے مُنہ پر جو چاہے کہہ دیجئے یا ان کے خلاف لکھ دیجئے وہ کبھی بے مزا نہ ہوتے۔ وہ صرف دلیل سے قائل کرتے تھے۔ اللہ بخشے بڑے جھگڑالو آدمی تھے۔ مسلم لیگ کی سیاست میں ان کا کام حریفوں کا زور توڑنا تھا۔ اس کام میں ان کا مد مقابل نہ انڈین نیشنل کانگریس میں کوئی تھا اور نہ مسلم لیگ میں۔ جب پاکستان گیا تو سیاست سے اُنہیں دور رکھا گیا۔ پاکستان کے بعد یوں معلوم ہوتا تھا کہ جیسے اب پاکستان کو ان کی ضرورت نہیں رہی ہے یا جس کام کے لیے قدرت نے انہیں بنایا تھا وہ کام اب پورا ہو چکا تھا۔

مولانا ظفر علی خان، چودھری صاحب کو پنڈت جواہر لال نہرو کا ہم پلہ سمجھتے تھے۔ جب مولانا نیشنلسٹ مسلمانوں میں شامل تھے تو اُنہوں نے چودھری صاحب کے بارے میں یہ شعر کہا۔

دو دو جوانیاں مرے حصے میں آئی ہیں
نہرو اُنہیں ملا تو خلیق الزماں مجھے

برصغیر کی سیاست میں چودھری صاحب کے بعد اِس کینڈے اور اس ڈھب کا دوسرا سیاستدان پیدا نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ اُن کی روح پر اپنی رحمتیں نازل کرے۔ (آمین)